مُحسنِ پاکستان



مرتبہ

صدام

دارُالفیض گنج بخش لاہور

سلسلہ مطبوعات دار الفیض گنج بخش ۴۳

محسن پاکستان

مرتبہ

صدام

دار الفیض گنج بخش

55۔ حکیم محمد موسیٰ روڈ (ریلوے روڈ، گوالمنڈی) حضرت لاہور

بیاد : امام الاولیاء، سلطان الاصفیاء، حضرت شیخ سید علی ہجویری
معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز
بفیضان نظر: حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امر تسری علیہ الرحمۃ
بانی مرکزی مجلس رضا لاہور۔

کتاب---------- محسن پاکستان

مرتب---------- صدام

ناظم اشاعت-------- میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی

اہتمام--------- حکیم محمد سلیم مرتضائی۔ فیصل آباد

تعداد---------- پانچ ہزار

سن اشاعت-------- ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ، مئی 2007ء

ہدیہ----------- ایصال ثواب امت رسول اللہ ﷺ

نوٹ: بیرون جات کے حضرات دس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں۔

ملنے کے پتے

دار الفیض گنج بخش

☆55۔ حکیم محمد موسیٰ روڈ (ریلوے روڈ، گوالمنڈی) حضرت لاہور
فون: 092-042.7671389

☆حکیم محمد سلیم مرتضائی، مرتضائی دواخانہ، بالمقابل جامع مسجد اسلامیہ کالج،
سرگودھا روڈ۔ فیصل آباد۔ فون: 041-8863014

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں

عالم اسلام کے مایہ ناز منفرد ایٹمی سائنسدان محسن ملت جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں مڈل کلاس پٹھان فیملی میں انڈیا کے شہر بھوپال میں ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان تقسیم ہند کے پانچ سال بعد ۱۹۵۲ء میں نقل مکانی کر کے پاکستان آ گیا۔ آپ نے سب سے پہلے کراچی یونیورسٹی سے انجینئر نگ میں ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ عازم سفر ہوئے، اور وہاں مغربی جرمنی، ہالینڈ اور بلجیئم میں زیر تعلیم رہے۔ بالآخر کیتھولک یونیورسٹی آف لیون بلجیئم سے ۱۹۷۲ء میں ڈاکٹریٹ کی۔ اسی سال آپ نے فزیکل ڈائنا مک ریسرچ لیبارٹری یا ایف ڈی او ایمسٹرڈم نیدرلینڈ (ہالینڈ) میں بطور سٹاف ممبر شمولیت اختیار کی + یف ڈی او، یورینکو (URENCO) سے منسلک ایک ذیلی ادارہ تھا جو نیدرلینڈ میں ایلمکو کے مقام پر ۱۹۷۰ء میں یو کے اور مغربی جرمنی کے تعاون سے قائم کیا گیا، جس کا مقصد یورپین نیوکلیر ری ایکٹرز کے لیے باقاعدہ طور پر افزادشدہ یورینیم فراہم کرنا تھا۔ یورینکو مرکز اس مقصد کی تکمیل کے لیے Zippe-Type، Contrifuge Technology استعمال کر رہا تھا۔ یہ طریق کار انتہائی خفیہ رکھا گیا تا کہ برآمد کنندگان (Exporters) حضرات اس سے آگاہ نہ ہو سکیں۔

بھارت نے مئی ۱۹۷۴ء میں پہلا ایٹمی دھماکہ کر ڈالا جو پاکستان کی سلامتی کے لیے یک خطرے کی گھنٹی تھی۔ دوسری جانب یورینکو میں کام کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں یورینیم افزودگی کے تمام اسرار و رموز اور اس سے متعلقہ تمام لٹریچر اور نقشہ جات سے آگاہ ہو چکے تھے۔ ڈچ حکومت نے خاں صاحب پر الزام لگایا کہ انہوں نے کچھ ایٹمی مواد پاکستان انٹیلی جنس کے کارندوں کے ذریعے اپنے وطن بھجوایا ہے۔ بعد میں وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ ڈاکٹر خاں نے کوئی

جاسوسی کا کام کیا یا حکومت پاکستان کے ساتھ ان کا کوئی رابطہ تھا۔ لہذا ان کے یہ تمام مفروضات غلط ثابت ہوئے۔

بہر حال ڈاکٹر عبدالقدیر خاں صاحب جنوری ۱۹۷۶ء میں نیدرلینڈ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر اپنے وطن پاکستان آ گئے۔ یہاں پرائم منسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی مدد سے پاکستان نیوکلیر پروگرام کے سربراہ مقرر ہوئے۔

بار دیگر سابقہ ڈچ وزیر اعظم رڈ بوبرس نے اگست ۲۰۰۵ء میں ایک انکشاف کیا کہ ڈاکٹر خاں کچھ راز اپنے ساتھ لے گیا ہے لیکن اسے جانے کی اجازت دی گئی کیونکہ CIA ان کی نقل و حرکت کی نگرانی کرنا چاہتی تھی مگر یہ الزام بھی بعد میں غلط ثابت ہو گیا۔

آغاز میں ڈاکٹر خان صاحب نے ظاہر کیا کہ ہمارا ایٹمی پروگرام دفاعی نوعیت کا نہیں، بلکہ خالصتاً سویلین ہے، لیکن ۱۹۹۸ء میں ایٹمی دھماکہ کرنے پر انہوں نے تسلیم کیا: ”مجھے کبھی شک بھی نہیں گزرا تھا کہ ہم ایٹم بم نہیں بنا رہے“، یعنی یہ ہمیں اپنی ملکی سلامتی کے لیے ناگزیر تھا۔ لہذا خاں صاحب ایٹمی پروگرام کے حوالے سے مختلف تجربات کرتے رہے یہاں تک کہ غوری میزائل اول اور دوم وجود میں آئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ڈچ حکومت یہ تحقیقات بھی بار بار کرتی رہی کہ وہ سن ۱۹۷۳ء میں یہاں ملازمت کے دوران میں یورینیم افزودگی ٹیکنالوجی بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کو جاسوسی کی بنیاد بنا کر ایمسٹرڈم کورٹ نے انہیں چار سال کی غائبانہ سزا بھی سنائی جو بعد میں ان کی اپیل پر فیصلے پر نظر ثانی کر کے منسوخ کر دی گئی۔

صدام

اے محسن پاکستان تجھے سلام

قوم تجھ سے معافی کی طلبگار ہے

ڈاکٹر شاہد مسعود

صدر مملکت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے حوالے سے میڈیا کے نمائندوں سے تفصیلی گفتگو کی ہے اور بہت سے ابہام اور ذہنوں میں جنم لیتے سوالات کا جواب دیا ہے۔

صدر نے تمام سلسلے کی وضاحت فرماتے ہوئے نہ صرف میڈیا کے مجموعی کردار پر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے اور یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ کوئی بھی سابق حکومت یا آرمی چیف نہیں بلکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان ذاتی طور پر ایٹمی پھیلاؤ کے تمام سلسلوں میں ملوث رہے ہیں۔

اس سے پہلے معافی نامہ ٹی وی پر پڑھے جانے کے بعد نیشنل کمانڈ اتھارٹی کے اکابرین سے ہوتا ہوا وفاقی کابینہ کے معززین سے قبولیت کے بعد صدر مملکت نے بھی منظور فرمالیا۔ ڈاکٹر قدیر خان اب ایسے پاکستانی شہری ہیں جو اپنی باقی زندگی ایک ایسے شخص کے طور پر گزارے جانے کے مستحق ٹھہرائے گئے ہیں جسے اپنے گناہ تسلیم کیے جانے کے بعد کسی چوک یا شاہراہ پر نشان عبرت بنا دینے کے بجائے اس لیے ترس کھا کر معاف کر دیا گیا ہے کہ چھوڑو جانے دو بے چارے نے ایٹم بنا کر پاکستان کو دیا ہے۔ ڈاکٹر قدیر صاحب کو یہ اعزاز بھی مبارک ہو۔ معافی مل جانے کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی گراں قدر خدمات کے پیش نظر انہیں تمام عمر ایک حفاظتی حصار میں رکھا جائے گا اور وہ اس موضوع پر کبھی بات نہیں کر پائیں گے۔ یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے پاس اب کوئی کام نہیں ہوگا۔ انہیں سکون سے زندگی گزارنے کا کہا جائے گا اور گھر بیٹھے تنخواہ وغیرہ دی جاتی رہے گی۔ میں نہیں جانتا کہ ڈاکٹر صاحب اس بے چینی کا کیا

کریں گے جو پچھلے ستائیس سال مسلسل اٹھارہ، اٹھارہ گھنٹے محنت سے کام کرنے کے بعد ان کی ہڈیوں کا حصہ بن چلی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر اب بیرون ملک بھی سفر نہیں کر پائیں گے۔ باوجود اس حقیقت کے دنیا بھر کے کئی تحقیقاتی ادارے یونیورسٹیز اور دنیا کے وہ ممالک جہاں کام کرنیوالے انسانوں کی قدر ہوتی ہے، اس شخص کو اپنے ہاں بلانا چاہیں گے جس نے ایک ایسے ملک کو ایٹمی قوت بنا دیا جو سائیکل کی چین اور بیرنگ بھی اس وقت باہر سے منگواتا تھا۔۔۔ڈاکٹر عبدالقدیر خان ڈاکٹر آف سائنس کی تین ڈگریز اور دو نشان امتیاز اپنے سینے پہ سجانے کے بعد پاکستان کو ایٹم بم دینے کے علاوہ بر سر عام ٹی وی پر معافی مانگنے والے پہلے پاکستانی بھی ٹھہرے۔۔۔

ایک ایسی قوم سے جہاں کبھی کسی نے اپنے گناہوں اور اور غلطیوں کو تسلیم نہیں کیا، ہمیشہ ان پر فخر کیا ہے، ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ان گناہوں کی بھی معافی مانگی ہے جو شاید ان سے کبھی سرزد بھی نہیں ہوئے۔ ان کے علاوہ کیونکہ اس پورے قصے میں کوئی بھی حکومت یا کوئی دوسرا فرد یا عہدیدار یا ادارہ شریک نہیں تھا اس لیے کوئی اور اس عزت کا مستحق نہیں ٹھہرے گا۔ یہ تمغہ ہم نے صرف اپنے ٦٦ سالہ سائنسدان کے سینے پر ہی سجانا تھا۔ کوئی معافی نہیں مانگتا اور کسی نے کبھی معافی نہیں مانگی۔ پاکستان کی ٥٦ سالہ تاریخ دیکھ لیں معافیوں کے حوالے سے جن کی انگلیوں میں ایک ایک لاکھ ڈالر کی انگوٹھیاں جن کے گلے میں ایک ایک لاکھ اسٹرلنگ پاؤنڈز کے نیکلس چمکتے رہے، انہوں نے بھی کبھی قوم سے معافی نہیں مانگی، جن کے لانز میں دو لاکھ کے کتے اور اصطبلوں میں ساٹھ، ساٹھ لاکھ کے ارجنٹائنی گھوڑے رہے، جو دس دس لاکھ کے اونٹ اور چالیس چالیس ہزار کی بھیڑیں پالتے رہے، انہوں نے بھی کبھی قوم سے معافی نہیں مانگی، وہ جو کئی کئی بینک خالی کر گئے اور ان جاگیروں پر عارضی قابض ہیں جن کی پیمائش کو بھی کئی کئی ملازمین درکار ہیں اور جن کے مریدان پر ہر سال کروڑوں کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور جن کے ہوٹلوں کے بل کئی کروڑوں سے تجاوز کر جاتے ہیں، انہوں نے بھی کبھی اس قوم سے معافی نہیں مانگی اور وہ جن کی زمینوں پر لاکھوں مزارعے جانوروں جیسی زندگی گزارتے ہیں، اور جن کے بچے دنیا کی مہنگی ترین درسگاہوں میں زیر تعلیم ہیں اور جو ہر سال گرمیاں یورپ میں گزارتے ہیں اور جو بسنت پر دس دس ہزار روپے کی پتنگیں اڑا کے لاکھوں روپے کا روٹی ٹکر اپنے مہمانوں کو کھلا کر

اپنے اہل خانہ کے سامنے مجروں میں نشے میں دھت بدمست ہوکر ناچتے ہیں انہوں نے بھی کبھی معافی نہیں مانگی، جن کی اگلی دس پشتیں دودھ سے نہا سکتی ہیں، سونے کے نوالے کھا سکتی ہیں اور چاندی کے بستروں پر آرام فرما سکتی ہیں جن کے الیکشن کمیشن میں جمع کروائے گئے، گوشواروں میں درج جائدادوں سے زیادہ ان کے ملازمین کی ملکیتیں ہیں انہوں نے بھی کبھی قوم سے معافی نہیں مانگی۔

۱۹۸۵ء سے لے کر ۱۹۹۹ء تک اس ملک کے بینکوں اور مالیاتی اداروں نے تمیں ارب روپے کے قرضے معاف کیے یعنی ۱۶۶ ملین روپیہ ماہانہ، یہ سیاسی حکومتوں کے دور تھے کسی نے قوم سے معافی نہیں مانگی۔

اس کے بعد پچھلے چار سالوں میں پچیس ارب روپے کے قرضے معاف ہوئے یعنی ۵۲۰ ملین روپے ماہانہ یا سترہ ملین روپے روزانہ۔ کسی نے قوم سے معافی نہیں مانگی یا ۱۹۹۴ء سے لے کر ۲۰۰۲ء تک سوشل ایکشن پروگرام کے نام پر چھ سو ارب روپیہ کھایا گیا اور جہاں ٹرانسپرینسی کی رپورٹ ہمیں یہ کہتی ہے کہ تعلیم کے شعبے میں ۹۲ فیصد صحت کے شعبہ میں ۹۵ فیصد اور عدالتوں میں ۹۸ فیصد کرپشن ہے، کوئی متعلقہ وزیر یا جج ٹی وی پر آ کے قوم سے معافی نہیں مانگتا، ہر دوسرے مہینے ریلوے پھاٹکوں پر غیر ذمہ داری سے بے شمار افراد مارے جاتے ہیں لیکن کوئی وزیر ریلوے معافی نہیں مانگتا، مساجد امام بارگاہوں، شاہراؤں پر دہشت گرد حملے کر کے بے گناہوں کو خون میں نہلا دیں تو وزیر داخلہ فرماتے ہیں کہ گیارہ ستمبر کے بعد کیا صدر بش نے معافی مانگی تھی یا استعفیٰ دیا تھا۔

کبھی تو افغانستان میں امریکہ کی لڑی جانے والی لڑائی جہاد بتائی جاتی ہے اور کبھی طالبان کو کئی سال تک مکمل تعاون کرنے کے بعد خون میں نہانے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے، غلط پالیسی کے نتیجے میں ہزار رہا بے گناہ جانیں گنوا بیٹھے ہیں لیکن کوئی پالیسی میکر معافی نہیں مانگتا۔ کشمیر میں جہاد کے لیے ملک بھر کے نوجوانوں کو منبر ومحراب کے نام پر بلایا جاتا ہے وہ جاتے ہیں لڑتے ہیں، شہید ہوتے ہیں، گھاٹیوں میں گولیوں کا نشانہ بن کر دفن ہو جاتے ہیں اور پھر یہی جہاد دہشت گردی قرار پاتا ہے تو کوئی ان شہیدوں سے یا دہشت گردوں سے اور ان کے اہل خانہ یا قوم سے معافی نہیں مانگتا، ماضی کا کوئی پالیسی میکر، کوئی بیان داغتا سیاستدان، کوئی جذبات میں

آگ لگاتا خطیب، کوئی مقرر ٹی وی پر اپنی غلطی کا اعتراف کرتا نظر نہیں آتا اور معافی نہیں مانگتا، وہ بھی اسی ملک کا حکمران رہا جس کے غیر ملکی دورے کے دوران جہاز محض اس لیے دو گھنٹے فضا میں چکر لگاتا رہا کہ صدر محترم کا نشہ اتر جائے اور جب وہ دشمن پر حملے کا حکم دینے کے لیے نکلے تو دو جوانوں نے انہیں دائیں بائیں سے اٹھا رکھا تھا۔ جو ایوان صدر میں مستی میں جھوم کر قومی ترانہ گاتے رہے اور جنہوں نے اپنی رانی کو جنرل کا رینک بھی عطا کیا، ملک ٹوٹ گیا اور ان کے انتقال کے بعد انہیں ۲۱ توپوں کی سلامی کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا انہوں نے ٹی وی پر آ کر قوم سے کسی غلطی کی معافی نہیں مانگی، جس نے سقوط ڈھاکہ کی ذلت آمیز دستاویز پر دستخط کرنے کے بعد بھارتی جنرل اروڑا کو گندے لطیفے سناتے ہوئے کہا کہ میں اپنی قوم کا ہیرو ہوں، اس نے کبھی اپنی زندگی میں معافی نہیں مانگی اور جنہوں نے اسلام کے نام پر اس قوم کو کلاشنکوف اور ہیروئن کے تحفے دیئے، عدالتوں کے ججوں سے پھانسی کے فیصلے کروائے اور آئین کو محض ایک کتاب قرار دیا، انہوں نے بھی کبھی قوم سے معافی نہیں مانگی۔۔۔

اسی ملک میں ایک ایسی ہندو عورت بھی خاتونِ اول بنیں، کثرت شراب نوشی سے جن کا جگر جواب دے گیا تو وہ شرابیوں کو جمع کر کے ان کے سامنے سامان مے نوشی سجاتیں اور پھر انہیں شراب پیتا دیکھ کر خوش ہوتیں، وہ سیکرٹری دفاع بھی اس ملک کا صدر بنا جس کی بیوی ہر لمحے اس کے پیچھے پھرتی کہ کسی کمزور لمحے کوئی دوسری عورت فرسٹ لیڈی نہ بن جائے، وہ شیر بھی اس صوبے پر حکومت کرتا رہا جس کے قبضے سے گورنمنٹ کالج لاہور کی اغوا شدہ طالبہ درآمد ہوئیں، وہ بھی آج تک ہمارے محترم راہنما ٹھہرے جن کی تصویر آخری لمحے تک ٹی وی کی ایک اداکارہ کے بیڈ روم میں لگی رہی اور وہ بھی ہمارے ایوانوں کے نگران رہے جنہوں نے اپنے دوستوں کی محفل میں بڑے دعوے سے کہا تھا تم شرط لگا لو اب زندگی بھر کبھی نہیں گائے گی، وہ بھی ایک صوبے کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرتے بچوں بچیوں کے مستقبل کا رکھوالا ہے جس کے بارے میں بوڑھے سیاستدان نے پوری قوم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ یہی میری بیٹی سے اجتماعی زیادتی کا مرتکب رہا اور وزیر بھی اپنی غلطی بتا گیا جو چوری کی گاڑی خرید نے علاقہ غیر گیا پھر سمگلروں سے ٹال مٹول کرتا ہوا ان کی قید سے بقیہ رقم کی ادائیگی تک رہا نہ ہو سکا اور وہ جلاوطن رہنما جو سندھ کا وزیر اعلیٰ مقرر ہوا اور وہ کھلے عام کہتا رہا کہ میں پیتا ہوں اور ڈٹ کر پیتا ہوں، اس

ملک کی سیاسی تاریخ لکھتے وقت سرکاری ہوسٹلز کے سویپرز کے انٹرویوز بھی شامل کیے جائیں جو کمروں سے خون آلود چوڑیوں کے ٹکڑے جمع کرتے اور بوتلیں چھپاتے رہے، لیکن کسی صدر وزیراعظم، وزیر، مشیر، رکن اسمبلی بیوروکریٹ یا جج نے آج تک قوم سے معافی نہیں مانگی۔

وہ جو ہر سال ساٹھ کروڑ کے محصولات بچاتے رہے، جو پچیس کروڑ روپے کی ایکسائز ڈیوٹی، چوبیس کروڑ روپے کا نہری پانی، پندرہ کروڑ روپے کی لکڑی، بائیس کروڑ روپے کی بجلی اور گیس چراتے رہے ان کو ٹی وی پر قوم کے سامنے معافی مانگنے نہیں لایا گیا، جو سرکاری دفاتر سے ہر سال ڈیڑھ کروڑ کی سٹیشنری چراتے ہیں، پانچ کروڑ کا سیمنٹ، سریا اور لوہا پار کر جاتے ہیں، آٹھ کروڑ کی تاریں بجلی کے کھمبے اور ٹرانسفارمر غائب کر جاتے ہیں، گیارہ کروڑ کی ادویات ہسپتالوں کے انسٹرومنٹس اور مریضوں کی خوراک کھا جاتے ہیں، بارہ کروڑ کی سڑکیں اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں اور اٹھارہ کروڑ کی گلیاں نالیاں اور پلیاں پی جاتے ہیں، جو کہ پانچ لاکھ گیلن سالانہ سرکاری پٹرول بسوں اور ویگنوں کے اڈوں پر بیچتے ہیں، ان میں سے کسی کو دبوچ کر عوام کے سامنے معافی مانگنے کا مستحق نہیں سمجھا گیا، جہاں کے شاہ، لغاری، مزاری، پیر، جتوئی، کھوسے، مخدوم، ملک، ٹوانے، خٹک، آفریدی، نواب، باچے، میر ہر سال قوم کا چھ ارب روپیہ کتا دوڑوں، ریچھ کی لڑائیوں، بٹیر بازیوں، اور عیاشیوں میں خرچ کرتے ہیں، ہر سال جو سات ارب کی گاڑیاں خریدیں اور ڈیڑھ کروڑ روپے کا تمباکو پھونک دیں، جو اس ملک میں نہریں نہ کھدنے دیں، سکول نہ بننے دیں، مردم شماری نہ ہونے دیں، گاؤں میں ریڈیو بند کر دیں، اخبار جلا دیں، گندم نہ بونے دیں، سوال نہ کرنے دیں، جو انسانوں کو اپنے ڈیروں پر کتوں کی طرح باندھ کے رکھیں، جو زمین میں گاڑ دیں انسانوں کو، جو انسانوں کو اپنے تلوے چاٹنے پر مجبور کر دیں، جو ہر سال بارہ ارب روپے کی غیر ملکی شراب پی جائیں اور جو تیں ارب روپیہ جوئے میں ہار جائیں، جو آج بھی ملک میں منشیات کے ۶۵ ہزار اڈوں کے مالک ہوں اور ہر سال ۷۰، ۸۰ کروڑ روپیہ جگا ٹیکس وصول کریں، تھانے خریدیں، چوکیاں بیچیں ان کو ضلعی صوبائی، قومی ایوانوں میں بیٹھنے کے بجائے گردن سے دبوچ کے عوام سے معافی مانگنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

جو خود نیب کی ڈی بریفنگ کو بھگتا کے کابینہ کے اجلاسوں میں بیٹھ کر ڈی بریفنگ سے گزرے سائنسدان کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں فخر محسوس کریں لیکن معافی نہ مانگیں۔

جی ناظریں قوموں کا سرمایہ کھیت، فیکٹریاں، گاڑیاں، ادارے، محلات اور ایوان نہیں ہوتے لوگ ہوتے ہیں، اپنے ملک سے محبت کرنے والے اسے تعمیر کرنے والے ہنر مند لوگ اور جو قوم اپنے محسنوں کی تضحیک کیا کرتی ہے اس سے بڑی قلاش قوم کوئی نہیں ہوتی خواہ اس کے سارے پہاڑ سونا بن جائیں اور سارے دریاؤں اور سارے بیراجوں سے تیل بہنے لگے سارے درختوں پر اشرفیاں اگنے لگیں اور آسمان سے ڈالروں کا مینہ برسنے لگے وہ قوم قلاش کہلاتی ہے۔

کسی نے خبر دی کہ معافی مل جانے کے بعد ڈاکٹر قدیر پھوٹ پھوٹ کر روئے، بالکل ان ماؤں کی طرح جو اپنے جوان بچوں کی مرگ پر روتی ہیں۔ اس چڑیا کی طرح جو اپنا بچہ گھونسلے سے گرنے پر رویہ ظاہر کرتی ہے۔

میں خود ڈاکٹر قدیر خان سے ملنا نہیں چاہتا، ان سے بات نہیں کرنا چاہتا کہ اس کے بعد میرے ذہنی خلجان میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ بس یہ پیغام کسی ذریعے سے پہنچانا چاہتا ہوں کہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ایک، پاکستانی کی حیثیت سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان، آپ سے معافی کا طلبگار ہوں۔

آپ قوم کا نمائندہ سمجھ کر معاف کر دیجئے گا۔ مجھے، اس پوری قوم کو بھی، ہم آپ سے شرمندہ ہیں، شرمسار ہیں۔

بشکریہ ماہنامہ ''النعیم''، کراچی، اپریل۔ مئی ۲۰۰۵



ڈاکٹر عبدالقدیر خاں

شاہد نذیر چوہدری

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی شخصیت اور خدمات کو محض ایٹم سازی کے ترازو میں تولنا زیادتی کے مترادف ہے۔ حالانکہ وہ ایک عظیم سائنس دان (بدقسمتی سے پاکستان میں ایک مغرب نواز حلقہ انہیں سائنسدان ہی تسلیم نہیں کرتا) ہونے کے ساتھ سماجی، تعلیمی اور اقتصادی امور کے بھی ماہر تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ وہ پاکستان کو صرف ایٹمی قوت سے سرفراز نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اسے جدید سائنسی تعلیم سے بہرہ ور ملک کے روپ میں بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے اور قابل افسوس بھی ہے کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کے اس ''قومی کریڈٹ'' کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے کہ انہوں نے پاکستان میں درجنوں جدید سائنسی علوم کی درسگاہوں کی بنیاد رکھی ہے۔ ملک بھر میں تعلیمی اور طبی وسائل پیدا کر کے قوم وملت کو ترقی کی شاہراہ پر ڈال دیا تھا لیکن یہ خدمات ایٹمی خدمات کے کوہ گراں کے نیچے دبا دی گئی ہیں، اور آج عالم یہ ہے کہ اس محسن قوم کو زندہ درگور کیا جا رہا ہے جس نے ناپائیدار اور نامکمل پاکستان کو مستحکم اور مکمل کر کے دنیا میں سربلند کیا۔ قائداعظم نے پاکستان بنایا تھا تو قدیر خاں نے پاکستان بچایا ہے۔ اس بات کا ادراک ان کی خدمات کا جائزہ لے کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ وہ آج تین سالہ جبری نظر بندی کے باعث جاں لیوا بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں، اس کی وجوہات بننے والی سیاسی وعالمی سازشوں کا جائزہ لینے کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ پندرہ کروڑ ''غیور عوام'' نے اپنے محسن کی نظر بندی اور ان کے ساتھ روا بدسلوکی کو کس طرح قبول کر لیا ہے؟

ڈاکٹر عبدالقدیر خان ابھی ہم میں موجود ہیں۔ اگر انہیں زنداں سے نکال کر قومی وملی

خدمات کا موقع دیا جائے تو یقیناً پاکستان تعلیمی و سائنسی اور اقتصادی میدان میں دنیائے عالم میں ممتاز ہوسکتا ہے۔ پاکستان میں صرف وہی ایک واحد شخصیت نظر آتے ہیں جو خداداد قوتوں کو بلا خوف وخطر بروئے کار لا کر پاکستان کی عظمت پر سودا نہیں کرتے، بلکہ وسائل پیدا کر کے علم و آگاہی کے ادارے قائم کرسکتے ہیں۔ ڈاکٹر خاں کی اس خوبی اور ولولے کا احساس مقتدر طبقے کو بھی تھا، لیکن ''وزارتوں اور قومی منصوبوں'' کی بندر بانٹ کرنے والے پاکستان کو جدید تعلیمی اور سائنسی میدان میں ترقی کرتے ہوئے دیکھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خاں علم تھا کہ مقتدر طبقے نہیں چاہتے کہ ڈاکٹر خان ملک کی ترقی کے لیے مزید ایسے منصوبوں پر کام کریں جس سے واقعی پاکستان ترقی یافتہ ملک بن جاتا اور اسے قرضوں کی سیاست سے نجات مل جاتی اور وہ بیرونی قوتوں کی بلیک میلنگ سے نکل جاتا۔ ڈاکٹر خان کو ان کے فکری اور عملی انقلاب سے روکنے کے لیے عالمی طاقتوں کے پروردہ پاکستانی مقتدر لوگ انہیں ہر طرح سے دباؤ میں لانے کی کوشش کرتے تھے۔ ڈاکٹر خان اس پر ردعمل ظاہر کرتے تو بہری دیواریں ان کے خلاف مقتدر حلقوں کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگتیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان پابندیوں اور سازشوں کے باوجود ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے پاکستان میں درج ذیل عظیم الشان تعلیمی سائنسی اور طبی اداروں کی بنیادیں رکھیں، ان کی مالی اعانت، طلبہ اور اساتذہ کا مورال بلند کیا ہے۔

۱۔ غلام اسحاق خان انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرنگ سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی

۲۔ پاکستان اکیڈمی آف سائنسز اسلام آباد

۳۔ ڈاکٹر اے کیو خان انسٹی ٹیوٹ آف ہائی ٹیکنالوجی

۴۔ کہوٹہ انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی۔ کہوٹہ

۵۔ ڈاکٹر اے کیو خاں انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میانوالی

۶۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد

۷۔ گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خاں

۸۔ سرسید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کراچی

۹۔ ڈاکٹر اے کیو خان میڈیکل ریسرچ سنٹر کراچی

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی زیرنگرانی جن تعلیمی و سائنسی اور طبی اداروں کی بنیادیں رکھی

گئیں وہ اس فہرست سے طویل تر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں پاکستان بھر میں بہت سے سکولوں اور کالجز میں بھی سائنس وٹیکنالوجی کے شعبے پروان چڑھ رہے تھے جبکہ بہت سے اداروں کے چیئر مین، صدر، بورڈ آف گورنر کے طور پر بھی سرگرم تھے۔

ڈاکٹر اے کیو خاں نے کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز کو محض ایٹمی لیبارٹری ہی نہیں بنایا تھا، وہ یہاں دیگر تعلیمی اور خصوصی منصوبے بھی رواں کئے ہوئے تھے۔ کہوٹہ اور اس کے گردونواح میں ان کی بیگم کی زیر نگرانی فلاحی اور تعلیمی ادارے کام کرتے تھے اور یہاں غریبوں اور مستحقین کے بچوں کی علمی آبیاری کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کے آر ایل کو ترقی یافتہ ممالک کی لیبارٹریز کے مقابل میں لا کھڑا کیا تھا۔ یہاں ہر سال سائنس سے متعلق بین الاقوامی معیار کی کانفرنسیں، سمپوزیم اور ورکشاپس کا بھی اہتمام ہوتا جس میں پاکستان سمیت دنیا بھر سے سائنسدان اور انجینئر شرکت کرتے تھے۔ اس حوالے سے کہوٹہ ریسرچ لیبارٹریز کو دنیا بھر کی ایٹمی تجربہ گاہوں میں امتیاز حاصل ہو گیا تھا۔ کہ یہاں ایٹم سازی سے زیادہ جدید سائنس وٹیکنالوجی پر علم افروز مباحثے ہوتے اور اس تحقیق میں پوری دنیا کو شامل کیا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے کہوٹہ کا حقیقی کردار ساری دنیا سے چھپا نہیں رکھا، اس کے باوجود کہوٹہ لیبارٹری کے حوالے سے دنیا بھر میں بدنام کیا گیا اور اس معاملے میں ''گرو سے زیادہ چیلے'' ان پر تابڑ توڑ حملے کرتے رہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو دنیا میں ایک پراسرار اور خطرناک ترین انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی حیرت بھی نہیں ہے۔ وہ اقبال کے ''پراسرار بندے'' کی صورت میں پاکستان اور امت مسلمہ کو نصیب ہوئے ہیں۔ ان کی یہ خوبی دراصل یہود و ہنود کے لیے قابل برداشت نہیں تھی۔ دہشت گردی کی جنگ میں ایٹمی ٹیکنالوجی کی سمگلنگ کا ڈھونگ رچا کر ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو امریکی ''گوانتانوبے'' لے جانے کا منصوبہ درحقیقت بنایا ہی اسی لیے گیا تھا کیونکہ ان قوتوں کو احساس تھا کہ پاکستان کو ایک خودکفیل اور جدید علمی رجحانات سے فیض یاب کرنے والا شخص چھوڑ دیا گیا تو پاکستان پسماندگی میں دھکیلے جانے کے باوجود دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا۔ ایٹمی سمگلنگ کا دھندہ خود مغربی قوتوں کی اختراع اور کاروبار ہے۔ انہیں ان کے ایٹمی منصوبے کی تکمیل کے بعد دوسرے دونوں منصوبوں سے روکنے کے لیے

معتوب ٹھہرایا گیا۔ ڈاکٹر خاں کی زندگی کے تین بڑے منصوبے یہ تھے:۔

ا۔ پاکستان کو ایٹمی قوت بنانا

۲۔ جدید تعلیمی سائنسی ادارے قائم کرنا

۳۔ پاکستان سٹیل مل کو دنیا کا سب سے بڑا فولادی کارخانہ بنانا۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اگر آزاد رہتے تو وہ یقیناً دوسرے دونوں منصوبوں پر عمل درآمد کرا دیتے۔ انہوں نے جدید تعلیمی اداروں کی بنیاد رکھ کر پاکستان میں آئی ٹی کا مستقبل روشن کر دیا۔ راقم کی ڈاکٹر صاحب سے نیاز مندی تھی۔ جن دنوں میں ان پر کتاب لکھ رہا تھا، ان سے اسلام آباد میں ملاقاتیں بھی ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے بڑے واضح الفاظ میں یہ بتایا تھا کہ:

''دنیا کو اب پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے خطرہ نہیں۔ دراصل جب سے ہم نے تعلیمی اور اقتصادی میدان میں ترقی کا راز پالیا ہے اور درسگاہوں کی عملی داغ بیل شروع کی ہے، غیر ملکی قوتوں کو ہم سے زیادہ خوف محسوس ہونے لگا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ جب وہ اپنی این جی اوز کے ذریعے پاکستان میں طب و تعلیم اور ہنر مندی کے ادارے قائم کر رہے ہیں مگر جب ہم نے ان اداروں کی بنیادیں رکھ کر تعلیم و ہنر کو آگے بڑھانے کے عملی ارادے ظاہر کیے تو سازشوں کا گورکھ دھندہ شروع ہو گیا۔ میں نے نواز شریف، بینظیر صاحبہ اور فاروق لغاری سبھی کو یہ باور کرایا کہ ایٹمی دھماکوں کے بعد پاکستان کو اب حقیقی ترقی کی طرف سفر شروع کرنا ہے۔ ہم نے ایٹمی دھماکوں سے ۱۳ سال قبل ہی تعلیمی پروگرام کا آغاز کر دیا تھا۔ ہم نے غلام اسحاق خان انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی اور ان پاکستانی سائنسدانوں اور اساتذہ کو پاکستان لے کر آیا جو یہاں کے حالات سے دلبر داشتہ تھے اس ادارے نے بہت جلد دنیا بھر کے جدید تعلیمی اداروں میں اپنا مقام بنایا۔ یہاں پڑھانے والے اساتذہ پی ایچ ڈی لیول سے کم نہیں۔ اسی طرح پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ اور طبی اداروں کی بھی بنیادیں رکھی گئی ہیں۔ میں اب تعلیمی کے میدان میں عملاً دھماکہ کرنا چاہتا ہوں۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے تعلیمی و سائنسی اداروں کو زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ وہ نجی اور عوامی محفلوں میں اس کا برملا اظہار کرتے تھے۔ راقم سے انہوں نے کہا تھا:

''پاکستان کو فی الفور ایٹمی قوت بنانا میرا خواب نہیں تھا، میں تو سٹیل مل میں ملازمت کا

خواہشمند تھا۔ مجھے قدرت نے فولاد کو سمجھنے اور اس سے باتیں کرنے کا ہنر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ پاکستان میں فولاد کی صنعت کو ترقی دے کر اقتصادی طور پر مضبوط ملک بنا دیتا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سٹیل مل کا بیڑہ غرق نہ کریں۔ اسے میرے حوالے کر دیں میں اس کو دوبارہ سے زندہ کر دوں گا۔ لیکن یہ لوگ سمجھتے نہیں کہ سٹیل مل کو ہاتھوں سے کھو دیا تو پاکستان کا بنیادی اقتصادی ڈھانچہ کمزور ہو جائے گا۔"

"ڈاکٹر صاحب کے جذبوں کی روشنی میں اس مردِ حق کی دور اندیشی کو دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ آج پاکستان سمیت دیگر ایشیائی ممالک میں فولاد کی جو ضرورت محسوس ہو رہی ہے اگر پاکستان سٹیل مل خسارے سے نکل کر منافع بخش کارخانہ بن جاتی تو پاکستان صرف اس "فولادی کارخانے" کی بدولت کروڑوں ڈالر کا زرِ مبادلہ کماتا، مگر پاکستان کے دشمنوں نے اس اہم ترین اقتصادی کارخانے کو سفید ہاتھی بنا کر پیش کر دیا اور اس کی بولی لگا دی۔ سٹیل مل کا اسکینڈل اس کی در پردہ سازشوں کی کہانی سناتا ہے کہ پاکستان کو کمزور تر کرنے والے کس طرح غالب آتے جاتے ہیں اور اس ملک کے حقیقی خیر خواہ کس گرداب اور عذاب سے دوچار کر دیئے گئے ہیں۔

پاکستان کو ایٹمی قوت بنانا ایک معجزہ ہے۔ ۱۷ء کی جنگ میں جب پاکستان ٹوٹ گیا تھا اور بھارت مغربی پاکستان پر بھی قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا تو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے بھی اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا۔ مجھے انہوں نے بتایا تھا۔ "۱۷ء کی جنگ نہ ہوتی تو پاکستان ایٹمی قوت نہ بن پاتا۔ میں نے سوچا کہ سٹیل مل اور تعلیمی منصوبے تو اس وقت ضروری ہیں جب پاکستان کی مٹی مٹھی میں ہوگی۔ پہلے وطن کی مٹی کا دفاع ضروری ہے۔ بھٹو مرحوم بھی یہی چاہتے تھے۔ بھٹو صاحب کے سیاسی کردار پر دنیا جو بھی کہے انہوں نے پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ میں نے جب چاہا کہ پاکستان آکر سٹیل مل میں اچھی سی ملازمت کر لوں تو بھٹو صاحب نے میری تعلیمی، علمی اور پیشہ وارانہ خدمات کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا کہ کیا آپ پاکستان کے لیے ایٹم بم بنا سکتے ہیں؟ ۱۷ء کی جنگ کا بدلہ چکانے اور قوم کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے بھٹو صاحب پاکستان کو ایٹمی قوت بنانا چاہتے تھے۔ ان کا دامن ۱۷ء کی شکست سے آلودہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مغربی پاکستان کا دفاع مضبوط کر دیا جائے۔ خاص طور پر جب بھارت نے ۷۴ء

میں پوکھران میں ایٹمی دھماکہ کر دیا تو بھٹو صاحب نے اعلان کر دیا کہ ہم گھاس کھالیں گے مگر پاکستان کو ایٹمی قوت بنا کر رہیں گے۔ انہوں نے میانوالی کے علاوہ دیگر مختلف مقامات پر سائنسدانوں اور فنی ماہرین سے پوچھا تھا کہ کون ہے جو پاکستان کو ایٹمی قوت فراہم کر سکتا ہے۔ اس دور میں کینیڈین ایٹمی ریکٹرز کے ذریعے یورینیم افزودہ کی جاتی تھی مگر پاکستان کے پاس فرسودہ ایٹمی ریکٹرز تھے اور ان پر بھی پابندیاں تھیں۔ ان حالات میں میرا پاکستان آنا اور پھر دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی سینٹری فیوج کے ذریعے یورینیم افزودہ کرنے کا بیڑہ اٹھا کر سرخرو ہو جانا ایک معجزہ ہے۔ بھٹو صاحب کے بعد ضیاء الحق، غلام اسحاق خان، آغا شاہی سمیت بہت سے درپردہ محسنان ہیں جنہوں نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر بہت دباؤ برداشت کیا مگر اس سے دستبردار نہیں ہوئے۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو اسلام آباد میں ان کے گھر میں نظر بند ہوئے تین سال ہو چکے ہیں۔ وہ کینسر سمیت دل کے عارضہ اور ذیابیطس میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ یہ قید امریکی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ ان کا دامن صاف ہے۔ جن کے ہاتھ صاف نہیں وہ ان پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔ آفرین ہے کہ پاکستان کے کچھ پردہ نشینوں کے دامن کو ایٹمی اسمگلنگ کے الزام سے بچانے کے لیے وہ خود پر اس الزام کو تسلیم کر کے قوم سے معافی مانگ چکے ہیں۔ جس حوصلے اور برداشت کے ساتھ انہوں نے ہر طرح کی سازشوں کا مقابلہ کیا ہے آج وہ کینسر جیسے موذی مرض سے بھی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ آج تک ناکام نہیں ہوئے۔ یقیناً وہ ملکی اور جسمانی ناسور سے نبرد آزما ہونے میں بھی فتح یاب ہوں گے۔ پوری قوم ان کے لیے نم آنکھوں کے ساتھ دعا گو ہے اور اس دن کی منتظر ہے کہ وہ کب ''زنداں'' سے نکلتے اور اپنے ادھورے خواب شرمندہ تعبیر کر کے پاکستان کی تقدیر بدلنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔

(ہفت روزہ فیملی میگزین ۱۰تا۱۶ستمبر ۲۰۰۶ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کِیا ہے عشق تو شِکوہ نہ کر زمانے کا
بیاں ہُوا تو گیا حُسن اِس فسانے کا
سزا کے طَور پہ ہم کو مِلا قفَس جالبؔ
بہت تھا شوق ہمیں آشیاں بنانے کا

حبیب جالبؔ